قسم الترجمہ - ۴

قرآن مجید درحقیقت کلام الٰہی ہے

[مجموع فتاوی شیخ الاسلام ۱۲/۲۶-۳۱]

ترجمہ: عبدالوہاب خان

فلسفیانہ نظریات کے ثمرات:

فلسفیوں کی فکری کجروی کا ثمرہ ہے کہ ان کے پیشرو الجعد بن درھم نے نصوص قرآنی میں ثابت شدہ اللہ پاک کی صفت کلام اور خلّۃ (گہری محبت) ہی کا انکار کردیا۔ وہ دوسری صدی ہجری کے اوائل میں گزرا ہے۔ اور حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ جیسے جلیل القدر علمائے تابعینؒ نے اس کے قتل کا فتوی صادر کیا۔ اور عراق کے گورنر خالد بن عبد الله القسریؒ نے واسط شہر میں عید الاضحیٰ کے خطبے میں کہا: ''اے لوگو قربانی کیا کرو، اللہ تمہاری قربانیوں کو شرف قبولیت عطا کرے۔ میں تو جعد بن درھم کا سر قلم کر کے قربانی ادا کرتا ہوں، کیونکہ اس نے گمان کیا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کو اپنا خلیل (گہرا دوست) نہیں بنایا اور حضرت موسیٰ علیہ السلام سے کلام نہیں فرمایا۔ اللہ عزوجل کی ذات سے متعلق جعد جو گندہ عقیدہ رکھتا ہے، اس سے اللہ تعالیٰ نہایت بلند و بالا ہے۔ پھر خطبہ عید سے فارغ ہو کر جعد کا گلا کاٹ ڈالا۔

بعد میں جعد کا یہی باطل نظریہ جہم بن صفوان نے اپنایا اور اللہ کے کلام کا انکار کیا۔ پھر اہل اسلام کے تیور دیکھ کر منافقت اختیار کرتے ہوئے لفظِ کلام کا ظاہری اقرار کرلیا لیکن کہا کہ اللہ تعالیٰ اپنا کلام بھی ہوا اور پتوں کی طرح کسی جگہ پیدا کرتا ہے۔

جعد اور جہم کی روش پر چلتے ہوئے اسلام کی نسبت رکھنے والے بعض فلاسفہ اور منطقی صابئین اور بت پرستوں کے بعض افکار اپناتے رہے۔ اس کی بنیاد اس طرح پڑی کہ صابئہ کے ہاں ''خلق'' کے مسئلے میں دو اقوال ہیں: ایک خیال یہ ہے کہ آسمان مخلوق ہیں، انہیں عدم سے وجود میں لایا گیا ہے، جس طرح اللہ کے پیغمبر اور کتب سماویہ کا بیان ہے۔ دوسری خود ساختہ رائے یہ ہے کہ آسمان مخلوق نہیں بلکہ وہ ہمیشہ ہمیشہ سے موجود ہیں۔ اور وہ بھی بذات خود واجب الوجود ہیں۔ جبکہ ان میں سے بعض تو سرے سے خالق کے وجود کے ہی منکر ہیں۔ خلق و بعث اور آغاز و انجام کے بارے میں ان کے ہاں مختلف و متضاد اقوال رائج ہیں۔ کیونکہ وہ اللہ پاک کی رسی (کتاب و سنت) کے پابند نہ تھے کہ انہیں وحدت فکر نصیب ہوتی۔ اور قیاس آرائیاں لوگوں کو ان جیسے معاملات میں کبھی متفق نہیں کرسکتیں جن کی حقیقت کی طرف رسائی وحی الٰہی کی رہنمائی کے بغیر

ہرگز ممکن نہیں۔

ایسے لوگ صرف زیریں طبعی امور سے لیے گئے مقدمات اور بنیادی عناصر: مٹی، پانی، ہوا، جانداروں، پودوں اور معدنیات میں پائے جانے والی طبعی صلاحیتوں کی اساس پر بحث ومناظرہ کرتے ہیں اور ان کا مطمح نظر یہ ہوتا ہے کہ ان نچلی سطح کے مقدمات کی وساطت سے اللہ پاک کی معرفت اور آسمانوں سے بالاتر کائنات اور حقیقت کے اول وآخر کا علم حاصل کریں۔ یہ واضح غلطی ہے، جس طرح ان کے بڑے پیشوا بھی اعتراف کر چکے ہیں کہ یہ دائرہ امکان سے باہر ہے اور انہیں یقینی معلومات حاصل کرنے کا کوئی ذریعہ میسر نہیں، بلکہ وہ صرف گمان کے پیچھے چلتے ہیں۔

بدعتی وگمراہ صابئین اور ان کی باتوں میں آ کر گمراہی میں بھٹکنے والے یہود ونصاری کی علمی تحقیق کی حالت یہ ہے۔ جب ان لوگوں کے اقوال ایسے افراد تک پہنچے، جو اللہ پاک کی طرف سے مہیا کردہ رسولوں سے رہنمائی لینے کے قائل نہیں ہوتے یعنی غلو کرنے والے فلسفی اور منطقی، تو وہ ان کی نقش پا کی پیروی کرنے لگے۔ جیسے نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے پیشگوئی فرمائی تھی: {لتأخذن مأخذ الأمم قبلكم شبرا بشبر وذراعا بذراع قالوا يا رسول الله فارس والروم؟ قال: ومن الناس الا فارس والروم؟} آپ ﷺ نے فرمایا ''تم لوگ (امت کے اکثر لوگ) ضرور تم سے پہلی قوموں کا طریقہ اپناؤ گے جیسے بالشت کے برابر بالشت اور ہاتھ کے برابر ہاتھ ہوتا ہے۔'' (یعنی ہو بہو) صحابہ ؓ نے عرض کیا اے اللہ کے رسول (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کیا یہ امت فارس اور روم کی روش اپنائے گی؟ ارشاد فرمایا: ''فارس اور روم کے سوا اور کون لوگ ہو سکتے ہیں؟'' (صحیح بخاری، الاعتصام، باب ١٤، ١٣/٣١٢) اکثر روایات میں فارس وروم کی جگہ ''یہود ونصاری'' کا لفظ ہے۔ (بخاری کتاب الانبیاء باب ٥٠، ٦/٥٧١، کتاب الاعتصام باب ١٤۔ ١٣/٣١٣، صحیح مسلم کتاب العلم حدیث نمبر ٦۔١٦/٢١٩)

پس ان کلمہ گو لوگوں نے بھی یہود ونصاری کی پیروی کرتے ہوئے صابئین کا منہج اختیار کیا اور انہی کے طریقے پر عالم کے حادث (مخلوق) ہونے کا استدلال کیا۔ یہ منہج اجسام اور اعراض (مادی اور غیر مادی اشیاء) سے متعلق کلام کرنا ہے۔ کہ پہلے اعراض (اوصاف) کو ثابت کیا جائے، پھر ان اوصاف کا اجسام (مادی اشیاء) کے لیے لازم ہونا تسلیم کرایا جائے۔ پھر اس کے نتیجے میں اعراض واجسام کا حادث (مخلوق) ہونا باور کرایا جاتا ہے۔ پھر کہا جاتا ہے کہ جو حوادث کے وجود سے پہلے نہ ہو وہ بھی حادث ہے۔ بہت سارے منطقیوں نے حدوث عالم کے اثبات میں اسی بحث پر اعتماد کیا ہے۔ جب انہوں نے دیکھا کہ اعراض یعنی صفات اپنے موصوف کے حدوث پر دلالت کرتے ہیں تو انہوں نے اللہ تعالی کی صفات کا انکار اپنے

اوپر لازم کرلیا کیونکہ ان کا اثبات اسے حادث ماننا لازم کرتا ہے اور حدوث عالم کی دلیل کا بطلان بھی لازم آتا ہے جس کے متعلق ان کا گمان ہے کہ اس کے سوا اور کوئی دلیل نہیں حتی کہ بعض کا خیال ہے کہ اس دلیل کو مانے بغیر کسی کا ایمان بھی درست نہیں ہوتا، حالانکہ حدوث عالم کی حقیقت دین اسلام کے ضروری مسائل میں سے ہے اور کتاب وسنت سے اس کا واضح ثبوت ملتا ہے۔

اور یہ لوگ ان صابئ فلسفیوں کی مخالفت کرتے ہیں جو عالم کو قدیم خیال کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ نبوت ایک کمال ہے جو نبی کے دل میں پیدا ہو جاتی ہے۔ (یعنی وہ خود بخود نفسیاتی طور پر ایک اعلی درجے کا انسان بن کر ابھرتا ہے) یہ اہل کلام، فلاسفہ کے ایسے ملحدانہ نظریات کی مخالفت اس لئے کرتے ہیں کہ وہ ان سے بڑھ کر حق کے پیروکار ہوتے ہیں۔

اسلام اور قرآن کے نور سے دلوں کے کسی قدر منور ہونے کی وجہ سے وہ ان سے کہیں بڑھ کر عقلی اور نقلی دلائل کو ماننے والے ہوتے ہیں، اگرچہ یہی اہل کلام رسولوں کی شریعتوں میں سے بہت ساری ہدایتوں سے بے بہرہ ہو کر گمراہ رہتے ہیں۔ لیکن بہرصورت یہ لوگ ان صابئ فلاسفہ سے کئی پہلوؤں سے بہتر ہیں، جن میں وہ اہل سنت سے متفق ہیں۔

پس یہ کلمہ گو اہل کلام ان صابئ فلاسفہ سے ان باتوں میں متفق ہیں کہ اللہ پاک نے کبھی کوئی کلام نہیں فرمایا ہے اور اس کے پاس علم یا قدرت جیسی کوئی بھی صفت نہیں پائی جاتی۔ ان لوگوں کا خیال ہوتا ہے کہ اللہ پاک کو کلام کرنے والا ماننے سے لازم آتا ہے کہ اس کا کوئی جسم ہو، جبکہ جسم حادث ہے کیونکہ جسمانیت ان اوصاف میں سے ہے جو اپنے موصوف کے حادث ہونے پر دلالت کرتی ہیں۔ بلکہ جسامت ان کے نزدیک کلام کرنے والے کے حادث (مخلوق) ہونے کی سب سے بڑی دلیل ہے۔ ان کے بقول اس صورت میں اللہ خود عالم میں سے ایسی چیزوں کا محتاج ہوگا جن کی دوسری مخلوق محتاج نہیں۔

پس جب ان اہل کلام نے دیکھا کہ تمام رسولوں کا اتفاق ہے کہ اللہ کلام کرنے والا ہے اور قرآن بھی اسی وصف کے اثبات سے بھرپور ہے تو کبھی وہ یہ کہنے لگتے ہیں کہ اللہ مجازاً متکلم ہے حقیقی طور پر نہیں۔ یہ ان کا پہلا نظریہ ہے جس پر وہ اپنے ابتدائی دور میں قائم تھے، جب ان میں ضد اور انکار نہیں پائے جاتے تھے۔

بعد میں مسلمان اہل کلام نے مجازاً متکلم کہنے کو قبیح مان لیا، اب وہ کہنے لگے کہ اللہ حقیقی متکلم ہے۔ حتی کہ بعض متکلمین نے اس پر اہل کلام کے اجماع کا دعوی تک کیا لیکن یہ دعوی درست نہیں بلکہ اہل کلام وفلسفہ کا اصل اور حقیقی نظریہ یہی ہے کہ اللہ متکلم حقیقی نہیں اور انہوں نے کہا کہ متکلم وہی ہے جس نے عملاً کلام کیا اگرچہ وہ (کلام) اس سے جدا کسی اور جگہ واقع ہو۔ اسطرح انہوں نے ''متکلم'' کا ایسا لغوی معنی بیان کیا جو نہ صرف عربی زبان میں بلکہ کسی بھی زبان میں معروف نہیں، نہ

حقیقتاً نہ مجازاً۔ اور یہ ان لوگوں کا قول ہے جو قرآن کو مخلوق قرار دیتے ہیں۔

اور صابئین کے چیلوں اور رسولوں کی پیروی کرنے والوں کے مابین اختلاف رونما ہوا تو ان فلاسفہ نے رسولوں کے بیان کردہ بعض صفات الٰہیہ مثلاً کلام اور تکلیم سے انکار کیا اور انہوں نے کتاب اللہ میں اختلاف کیا پس اس کی کچھ تعلیمات کو تسلیم کیا اور بعض کا انکار کیا۔

اہل ایمان نے اللہ کی طرف سے نازل شدہ حقائق کی بنا پر یقین کیا کہ قرآن اللہ کا کلام ہے اور یہ کہ اللہ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام سے کلام فرمایا اور وہ جب چاہے کلام ارشاد فرماتا ہے۔ انہوں نے پہلوں کی طرح نصوص شرعیہ کو انکے مقامات سے ہیر پھیر نہیں کیا، بلکہ فلاسفہ کی تحریف کو اپنی ایمانی بصیرت کے ذریعے مسترد کر دیا اور اسی ایمانی بصیرت کے ذریعے انہوں نے رسولوں کے مراد کو سمجھ لیا جو انہوں نے اللہ کی رسالت اور کلام سے سمجھا اور سمجھایا تھا۔ اس طرح وہ قرآن پاک، حدیث، اجماع اسلاف بشمول صحابہ و تابعین بلکہ سارے انبیاء کے پیروکاروں کے اجماع کے تابع ہو گئے۔ انہیں یقین ہوا کہ ان صابئ فلاسفہ کا نظریہ یہود و نصاریٰ کے نظریے سے بھی بدتر ہے حتیٰ کہ امام عبداللہ بن المبارک رحمہ اللہ فرماتے ہیں: ہم یہود و نصاریٰ کے کچھ کلام کو اپنی زبان پر حکایۃً بیان کرتے ہیں لیکن ہم جہمیہ کے افکار کو اپنی زبانوں پر لا ہی نہیں سکتے۔

اور ان گمراہ لوگوں کی دعوت کو دوسری صدی ہجری کے آخر اور تیسری صدی کے آغاز میں خوب فروغ حاصل ہوا تھا، جو دراصل مشرکین، تغیر پذیر صابئین پھر تبدیل شدہ یہود و نصاریٰ کے حاشیہ بردار ہیں۔ یہ مأمون الرشید کی حکومت کا دور تھا اور اس فکری بے راہروی کا سبب یہ تھا کہ اس کے دور میں علمی و ثقافتی خدمات کے نام پر رومی مشرکین اور صابئین کی کتابوں کا عربی ترجمہ کیا گیا جو قبل از میلاد مسیح گزرے تھے، جن کے ہم خیال فارس اور ہندوستان کے لوگ بھی تھے اور اسی دور میں صابئین اور نجومیوں کے علوم و تجربات بھی عام ہوئے۔

یہ نظریاتی بے راہروی بہت سے علماء، اہل کلام اور اہل اقتدار میں پھیل گئی اور خلفاء، حکمرانوں، وزراء، قضاۃ اور فقہاء میں سے اس کے علمبردار پیدا ہوئے جنہوں نے مؤمنین و مؤمنات اور احکام الٰہیہ کی تابعداری کرنے والے مسلمانوں کو اس تحریف اور بدعت کے قبول نہ کرنے پر آزمائش میں ڈال دیا۔ اور ان فتنہ بازیوں کا بنیادی سبب یہ تھا کہ ان بدعتیوں کی اکثریت نے پیغام رسالت کی حقیقت اور اتباعِ انبیاء کے منہج کو سمجھنے میں کوتاہی کی یا وہ اس مقصد میں ناکام رہے۔ اگر وہ لوگ حق کو پہچاننے میں کامیاب رہتے تو یوں دین اسلام کی مخالفت پر کمربستہ نہ ہوتے۔